ڈاکٹر مسعود حسن
استاد، شعبہ علوم اسلامی، کراچی یونیورسٹی،
بانو عزیز
شعبہ علوم اسلامی، وفاقی اردو یونیورسٹی، کراچی

پیغمبر اکرم ﷺ کو تبلیغ دین میں درپیش مصائب و آلام کا تحقیقی جائزہ

Abstract

Allah (swt(considers humans to be the best of among all creations due to the gift of knowledge and he has given the Prophet (PBUH(unrestricted access to all of his secrets. The Prophet (PBUH(used all of his ability to deliver the message of Allah and his divine wisdom to all of his society and he faced any and all opposition and hurdles that were sent towards him like a man. The Prophet (PBUH(and his companions faced many hurdles along the way which included but were not limited to verbal abuse, physical abuse, wars torture and migration etc.

Even through all the difficulties and hardship, his steadfast resolved did not break and even after all that he stood victorious, not only that he also left for all nations to come a guide on how to live life, gain the blessings of Allah and how to build an ideal society.

کلیدی الفاظ:

ابواء، مصائب وآلام، ملیکۃ العرب، جنگ وجدل، دین حنیف، بین المذاہب، عرب، مکہ، مدینہ، خاتم النبیین، کعبۃ اللہ،

مقدمہ

تاریخ عالم میں وقت گزرنے کے ساتھ حالات میں بھی تبدیلی رونما ہوئی ہے، تبدیلی کی یہ لہر کبھی مثبت اور کبھی منفی سوچ کی حامل رہی ہے۔ اگر یہ لہر منفی ہو گی تو مثبت سوچ رکھنے والے اس لہر کے خلاف کمربستہ ہوں گے اور اگر معاملہ برعکس ہو تو مثبت سوچ کے خلاف منفی عناصر سر اٹھاتے ہیں۔ انسانی نفس چونکہ آرام وسکون، عیش وعشرت اور اپنی خواہش کی غلام ہوتی ہے اس لیے مثبت تبدیلی لانے والے کو ہمیشہ مخالفت، تکالیف، مصائب وآلام کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

جب تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو کوئی ایسی شخصیات نظر آتی ہے جو دنیا میں مثبت سوچ کی فکری تبدیلی لانے کے لیے ظہور میں آئیں۔ ان ہی میں سے ایک ممتاز شخصیت سرکار دوعالم جناب محمد رسول اللہ ﷺ ہے۔ آپؐ کی بعثت کا مقصد دنیا کو اس کی تخلیق کے مقاصد سے روشناس کرنا تھا تاکہ انسانیت ارتقاء کے فطری اصولوں سے روشناس ہو کر احسن الخالقین کا حقیقی مصداق بن سکیں۔ رسول اللہ ﷺ اس کوہ گراہ کو سر کرنے کے لیے ظہور میں آنے سے قبل ہی مشکلات ومصائب سے سینچا گیا۔ جب سیرت محمدیہ کی روشنی میں آقائے دوجہاںؐ کی ابتدائی زندگی کا مطالعہ کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہ در یتیم ہے جو کہ دنیا میں آمد سے قبل ہی باپ کے سائے سے محروم ہو چکا تھا۔ اس غم واندوہ صورتحال کے بعد جب رسول اللہ ﷺ اپنی عمر کے چھٹے سال کو پہنچے حضرت آمنہ اپنے شوہر کے قبر کی زیارت کے لیے مدینہ ساتھ لے گئی جس طرح وہاں زیارت کی جاتی تھی۔ پھر جب ابواء سے مکہ لوٹنے لگی تو ان کا انتقال ہوا اور وہیں دفن کی گئی۔ جب ام ایمن واپس مکہ پہنچیں تو یہ بن ماں کا بچہ اپنے دادا کے سایہ عاطفت میں آ گیا، دادا نے اپنے پوتے کی کفالت وتربیت اور نگہداشت کا پورا پورا حق ادا کیا۔ روایات میں ہے کہ حضرت عبد المطلب پورے خاندان سے زیادہ اپنے اس یتیم پوتے سے شفقت ومحبت کرتے، لیکن صد افسوس کہ صرف دو سال کے قلیل عرصے کے بعد آپؐ اس چھلکتے سائے سے محروم ہو گئے۔ والد کو تو آپ نے دیکھا ہی نہیں تھا اس لیے پدرانہ شفقت ومحبت کے لطف سے یقیناً آشنا نہ تھے

لیکن اس محبت کی محرومی کو کیا محسوس نہ کرتے ہوں گے۔ اس لیے شریعت کہتی ہے کہ یتیم کے سامنے اپنے بچوں کا پیار نہ کیا کرو۔ مگر آپ کی محبت سے تو آپؐ بخوبی واقف تھے کیونکہ چھ سال کی عمر تک احساس وشعور بہت اچھی طرح بیدار ہو جاتے ہیں لیکن یہاں پر دادا کی محبت اور شفقت نے اس زخم پر مرہم کا کام سرانجام دیا ۔لیکن جب دادا جیسی عظیم شخصیت کا سایہ سر سے اٹھا تو آپؐ کے غم واندوہ اور رنج والم کا اس بات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آپؐ ان کے سرہانے کھڑے ہو کر دیر تک روتے رہے۔

بچپن سے نوعمری کی منزل دیکھتے ہی دیکھتے سر ہوتی ہے۔ وہ بچہ جس کے دل پر باپ، ماں اور دادا کا غم پہلے سے ہو جو چچا کے گھر میں پرورش پا رہا ہو، کبھی چچی کی آغوش میں ماں کی ممتا کو تلاش کر رہا ہو اور چچی بھی اپنے بچوں سے زیادہ آمنہ کے لعل سے شفقت کا اظہار کرتی ہو۔ آپ بھی ان کی بڑی عزت وتکریم کرتے تھے اور ان کی خدمات کا اعتراف کیا کرتے تھے۔ آپ اکثر ان کی زیارت کو جاتے اور دوپہر کے وقت انہیں کے یہاں آرام فرماتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ رسالت کے مل جانے بعد بھی آپؐ اپنی چچی سے کیسے محبت کا اظہار فرماتے تھے اس کی جھلک سیرت طیبہ میں یوں ملتی ہے کہ "جب آپ کی چچی فوت ہوئی تو آپ نے ان کو کفن کے ساتھ پہنانے کے لیے اپنی قمیص بھی دی تا کہ اس کی وجہ سے انہیں جنت کا لباس پہنایا جائے اور جب انہیں قبر میں اتارا گیا تو آپؐ قبر میں ان کے ساتھ اترے تا کہ ان کے قبر میں آسانی اور آسائش ہو جائے"۔(1)

احساس یتیمی سے نوعمری میں انسان کے ذہن میں بہت اضطراب ہوا کرتا ہے۔ گزرا ہوا بچپن اور آتا ہوا شباب سوچنے کے انداز میں واضح تبدیلی لے کر آتا ہے، پیغمبر خدا بھی غور وفکر کرتے تھے۔ جب آپ بکریاں چرانے کے لیے جاتے تھے تو آپ مشاہدہ قدرت خدا میں مصروف ہو جاتے تھے۔ ابھی نوعمری سے شباب کی منزلوں پر سفر کر رہے تھے۔ اس عمر کے نوجوان کی بہت دلچسپیاں ہوتی ہیں آپ کو نہ ہی مکے کے بڑے بڑے لوگوں سے ملنے جلنے کا کوئی شوق تھا اور نہ ہی ان کے درمیان بیٹھنے کا شوق تھا۔ آپ کا سوز دل اور آتش عشق خدا آپؐ کو کسی اور ہی راستے پر لے جا رہی تھی آپؐ نے صحراؤں اور پہاڑوں کو اپنا ہم نشین بنالیا۔ آپ غار حرا کی خلوت میں خدا سے ہم کلام رہتے ،دعائیں کرتے رہتے تھے،تدبر وتفکر میں رہتے تھے۔ جوانی سے بھرپور ایک شخصیت کے لیے اس قسم کی زندگی کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ خوشی کے راستے کو چھوڑ غم کے راستے کو اپنانا، بیوی بچوں کے ساتھ آرام دہ زندگی چھوڑ کر تذکر کی دنیا میں قدرت کی خاموش دنیا کو اپنا ہم

نشین بنالیا تھا اللہ کی جانب سے یہ نوجوان ذاتی اوصاف سے مالا مال تھا لیکن محرومیوں نے اس کے قلب و ذہن میں انقلاب برپا کر دیا تھا۔

رسول اللہ ﷺ چونکہ نہ موروثی سرمایہ دار تھے اور نہ ذاتی حیثیت میں کوئی مال ومتاع رکھتے تھے ۔رسول اللہ ﷺ بھی اپنے پیشرو کی طرح اپنے معاش کے لیے جدوجہد پر یقین رکھتے تھے۔اگرچہ آپ کے چچا آپ کی کفالت کرتے تھے مگر چچا کثیر العیال تھے اور آپ حد درجہ ذمہ دار اور حساس،اس وجہ سے آپ نے بہت جلد اپنا بوجھ خود اٹھانا شروع کر دیا۔ڈاکٹر حمید اللہ رقم طراز ہے کہ "اس نو عمر بچے محمد (ﷺ(نے محسوس کیا کہ انہیں اپنی روزی خود کمانا چاہیے چنانچہ انہوں(ﷺ) نے اپنے پڑوسی ابو معیط کی بھیڑیں چرانا شروع کر دیں اس طرح ان(ﷺ) کے خاندان کے آمدنی میں قدرے اضافہ ہوا"۔(2)

معاشی جدوجہد نے کم عمری ہی میں شام کے تجارتی سفر پر روانہ کیا جس نے آپ کے قلب و ذہن میں تغیرات پیدا کیے۔ایک جانب راہب کی خصوصی توجہ کہ یہ ایک خاص فرد ہے اور دوسری جانب چچا کی محافظت۔

بہر حال جب آپ لوٹ مکہ واپس آئے تو یہاں اور مصائب وآلام آپ کے منتظر تھے۔حساس شخص کے لیے ویسے بھی ارد گرد کی دنیا سے جو خود غرض بھی اور عیار و مکار بھی ہو،پناہ حاصل کرنا مشکل ہوتا ہے لیکن یہاں تو آوے کا آوا ہی بگڑا ہوا تھا۔"پورے عرب میں قتل اور جوابی قتل کے ہلاکت انگیز چکر میں ایک قبیلہ دوسرے کے ساتھ لڑائی میں مصروف تھا۔اس صورتحال سے عرب کے بہت سے اہل فکر لوگوں کو یہ محسوس ہوتا تھا کہ جیسے عرب کیوئی کھوئی ہوئی نسل ہوں،مہذب دنیا سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے نکالے ہوئے ہوں اور جنہیں خدا نے خود دھتکار دیا ہو"۔(3)

ان حالات نے عبد اللہ کے یتیم بیٹے کو عرب کا ایک ایسا خیر خواہ بنا دیا تھا جس کے اندر اٹھتے ہوئے موجوں کی کسی کو خبر نہ تھی۔لیکن اب بھی محمدؐ پر مصائب وآلام کا خاتمہ نہیں ہوا تھا۔آپ کی ذاتی زندگی جو کسی بھی انسان کے لیے بہت اہمیت کی حامل ہوتی ہے اس میں عجیب قیامت برپا ہوئی۔ گو کہ آپ کی زوجہ ملیکۃ العرب،آپ کی رفیق حیات،مہربان خدمت گزار،وفاشعار بی بی تھی اور اس عقد نے اہل مکہ میں آپؐ کا وقار بلند کیا تھا جن کے ذریعے اللہ تعالی نے آپؐ کو صاحب اولاد کر کے مشرکین عرب کو

جواب طعنہ ابتر دیا تھا۔ مگر اس اولاد کا دنیا سے گزر جانا ایک باپ کے دل کیسا جان گزار سانحہ ہو گا۔ رسول اللہ ﷺ کے "دونوں صاحبزادے بچپن میں ہی بعثت سے قبل اللہ کو پیارے ہو گئے، جن کی موت کا ماں اور باپ دونوں کو بے حد صدمہ ہوا، باپ اپنی جگہ ان کی مفارقت میں دل گرفتہ اور مامتا کی ماری ماں کے کلیجے میں بیٹوں کی موت کی غم سے دور ستے ہوئے ناسور بن گئے"۔(4)

بچوں کی موت نے محمدؐ کو کس قدر دل گرفتہ کر دیا ہو گا۔ لیکن اس موقعہ پر آپ کی غم گسار زوجہ خدیجہ بنت خویلد آپ کی مددگار تھی جو آپ کا غم دور کرنے کے لیے آپؐ کو غار حرا کی خلوت نشینی کا پورا موقع فراہم کرتی۔ جہاں تفکر و تدبیر سے آپ کا غم ہلکا ہو جاتا تھا۔

دعوت دین اور رد عمل

اللہ کے نبی نے دین کی تبلیغ میں بہت مشکلات برداشت کیں، عرب چونکہ خود سر اور سرکش قوم کے طور پر گردانے جاتے تھے اور جنگ وجدل سے ان کو کوئی عار نہ تھا۔ ان کے درمیان جب آقائے دوجہاںؐ نے اعلان رسالت کیا تو قریش درپے آزار ہو گئے۔ انہوں نے ایذا دینے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی اور مکہ کی مقدس سرزمین پر ایک طرح سے جنگ احزاب برپا ہو گئی، سارے مشرک، بت پرست، بدکار، سرمایہ دار سب متحد ہو گئے اور مکہ کی سرزمین اللہ کے آخری نبی پر تنگ ہو گئی۔

عرب کی مخالفت کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ آپؐ عقائد کے اعتبار سے دین حنیف یعنی دین ابراہیمی کو اصل حالت میں زندہ کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اس عرب کے معاشرتی نظام کو جو کہ غیر منصفانہ اور غیر انسانی تھا کاری ضرب لگی۔ یہی وجہ ہے کہ قبول اسلام کے وقت زیادہ تر محروم اور مظلوم غریب طبقہ نے اس دعوت پر لبیک کہا اور عرب کا امیر اور جاگیر دار طبقہ آپؐ کا مخالف ہو گیا اور آپ کو طرح طرح کی تکلیفیں دینا شروع کیں۔

مکہ کی سرزمین آپ کے لیے گویا مصائب وآلام کا مجموعہ بن چکی تھی، مخالفین آنحضرتؐ کی راہ میں کانٹے بچھاتے، نماز پڑھتے وقت ہنسی اڑاتے، سجدہ میں آپ کی گردن پر اوجھڑی لا کر ڈال دیتے، گلے میں چادر لپیٹ کر اس زور سے کھینچتے کہ گردن مبارک میں بدھیاں پڑ جاتیں۔ آپ کی روحانی قوت کا اثر دیکھ کر لوگ جادوگر کہتے، دعوی نبوت کو سن کر مجنون کہتے، باہر نکلتے تو شریر لڑکے پیچھے پیچھے غول باندھ کر چلتے، آپ نماز

جماعت میں قرآن پڑھتے تو کفار قرآن، قرآن کے لانے والے رسول اور قرآن کے اتارنے والے خدا کو گالیاں دیتے تھے۔"ایک دفعہ آپ کعبہ کے قریب نماز پڑھ رہے تھے، رؤسائے قریش بھی موجود تھے، ابو جہل نے کہا کاش اس وقت کوئی جاتا اور اونٹ کی اوجھ نجاست سمیت اٹھالاتا تاکہ جب محمد سجدہ میں جائیں تو ان کی گردن پر ڈال دیتے۔ عقبہ نے کہا یہ خدمت میں انجام دیتا ہوں چنانچہ جب آپ سجدے میں گئے وہ گندگی لاکر آپؐ کی گردن پر ڈال دی۔ قریش خوشی کے مارے ایک دوسرے پر گر پڑ رہے تھے تو کسی نے جاکر حضرت فاطمہ کو خبر دی وہ اگرچہ اس وقت وہ چھوٹی بچی تھیں لیکن جوش محبت سے دوڑی آئیں اور اوجھ کو ہٹادیا جب رسول اللہ ﷺ نماز سے فارغ ہوگئے تو آپ نے عقبہ کو بددعا دی"۔(5)

تاریخ کہتی ہے کہ آپ پر پڑنے والی مصائب کی کوئی حد نہیں تھی بلکہ ان مظالم میں اس وقت مزید اضافہ ہوا جب انہوں نے دیکھا کہ طوق غلامی میں جکڑے ہوئے لوگ جوق درجوق دائرہ اسلام میں داخل ہو رہے ہیں تو ان جوش انتقام آخری حدوں کو چھونے لگا اور انہوں نے ہر طرح سے آقا اور نئے اسلام قبول کرنے والوں کو ایذائیں دینا شروع کر دیں۔ جب کسی "قبیلہ میں کوئی مسلمان ہوتا تھا اس قبیلہ کے لوگ اس مسلمان کو بھوک پیاس، مارپیٹ اور قید کی تکالیف پہنچاتے اور ہاتھ پاؤں باندھ کے گرم زمین پر ڈال دیتے "۔(6) بہر حال وقت گزرتا گیا۔ مسلمانوں کی تعداد میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔ اس کے بعد سرداران قریش نے باہمی اتفاق سے رسول اکرم ﷺ کی اخلاقی و قومی حمایت ختم کرنے کے لیے ابو طالب سے حضور کی حمایت سے دستبردار ہونے کی درخواست کی جس پر آپ نے وہ تاریخی جملہ ارشاد فرمایا: "یاعم واللہ لو وضعوا الشمس فی یمینی والقمر فی یساری۔۔۔ماترکتہ "(7)

"اے میرے چچا: خدا کی قسم! اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں پر چاند رکھ دیں تب بھی میں اس کام کو نہیں چھوڑونگا" دعوت دین کے سلسلے میں جب آپؐ طائف تشریف لے گئے تو وہاں والوں کا رویہ بھی غم وآلام سے بھرپور رہا اور انہوں نے تو انتہا کر دی کہ "شہر کے لونڈوں اور اوباشوں کو شہر بدر کرنے کے لیے آپ کے پیچھے لگادیا۔ انہوں نے پتھر مار مار کر آپ کو زخمی کیا کثرت سے خون نکلنے کی وجہ سے جوتے پاؤں کے ساتھ چپک گئے "۔(8)

اس بے بسی کے عالم میں آپؐ نے ان کو جو دعادی وہ رہتی دنیاتک کے لیے نظیر ہے۔"ارجوان یخرج اللہ عزوجل من اصلابہم من یعبد اللہ عزوجل ولا یشرک"۔(9)"مجھے امید ہے کہ اللہ تعالی ان کی پشت سے ایسی اولاد پیدا کرے گا جو اللہ کی عبادت کرے اور شرک نہیں کرے گی"یہ ایک ایسے انسان کے الفاظ ہیں جو اس منزل پر بھی بد دعا نہیں دعا کرتا ہے۔مصائب وآلام چونکہ ختم ہونے کا نام نہیں لے رہے تھے اس لیے اس کے بعد آنحضورؐ کے سامنے ہجرت کا سخت مرحلہ آگیا۔ہجرت چونکہ بذات خود ایک تکلیف دہ عمل ہے اپنا گھر،اپناوطن اور اپنی سرزمین کو الوداع کہنا اور وہ بھی عالم غربت میں،اس کے ساتھ نئی دنیا،نئی سرزمین اور نئے لوگوں کا سامنا،یقیناً سوچ کر بھی رونگھتے کھڑے ہوتے ہیں۔

بین المذاہب محاذ آرائی

مدینہ میں سب سے بڑی مشکل اور تکلیف دہ عمل یہ تھا کہ مہاجرین بے سروسامان تھے،طبائع کا اختلاف تھا،آب ہوا بھی موافق نہ تھی،اس موقع پر آپ نے حکمت سے کام لیتے ہوئے ان مسائل کا خاتمہ مواخات سے فرمایا۔مدینہ میں چونکہ مختلف مذاہب کے ماننے والے لوگ آباد تھے اس لیے یہاں پر نظریات کا اختلاف ہی مشکلات کا بڑا سبب بنا۔علامہ سلیمان منصوری پوری اس بارے میں رقم طراز ہیں کہ"مدینہ مختلف اقوام اور مذاہب کا مجموعہ تھا،وہاں بت پرستی بھی تھی اور یہودی بھی اور کم تعداد میں عیسائی بھی،یہودیوں کے کئی زبردست قبیلے بنو قینقاع اور بنو قریظہ تھے جو اپنے جداگانہ قلعوں میں رہا کرتے۔وہ تجارت اور سودخوری کی وجہ سے بہت مالدار تھے"۔(10)

اب یہاں مدینہ میں رسول اللہ ﷺ کو نئے دشمنوں سے واسطہ پڑا،وہاں سب پرست تھے اور یہاں یہودی وعیسائی،ان دونوں مذاہب کے افراد نے اپنی اپنی کتابوں میں پڑھا تھا کہ کسی نبی کی آمد ہونی ہے۔اب جب یہود نے دیکھا کہ یہ تو مسیح کو راستباز بتاتا ہے ان کی تعلیمات کو صحیح قرار دیتا ہے اور مسیح پر ایمان لانے کا حکم دیتا ہے تو وہ آپ کے دشمن بن گئے۔جب عیسائیوں کو مسائل تثلیث،اور رہبانیت سے منع کیا گیا تو وہ بھی آپ کے دشمن بن گئے۔اس کے علاوہ منافقین کی بھی ایک بہت بڑی تعداد تھی۔آپؐ علانیہ طور پر منافقین سے سختی سے نہیں نمٹ سکتے تھے اگر آپؐ ایسا کرتے تو مخالفین الزام دیتے کہ آپ اپنے ہی لوگوں کے دشمن ہوگئے۔کیونکہ منافقین بظاہر کلمہ گو اور اسلام کا لبادہ اوڑھ لیا تھا لیکن درپردہ

اسلام کو نقصان پہنچانے کی کوششوں میں لگے رہتے تھے۔ عبد اللہ بن ابی جو کہ خود سرداری کے خواب دیکھ رہا تھا اس نے قدم بقدم روڑے اٹکائے۔ الغرض مکہ کی مصیبت سخت تھی مگر ایک تھی، مدینہ میں آکر مصائب متعدد اور گوناگوں بن گئے۔

قریش جو کہ آپ کے خون کے پیاسے تھے مسلسل اپنی ریشہ دوانیوں میں مصروف تھے اور چاہتے تھے کہ مسلمانوں کا خاتمہ کر دیں۔ مسلمان جو کہ نئی جگہ پر قدم جمانے کی کوشش کر رہے تھے تو ان پر جنگ مسلط کی گئی اور یہاں تک کہ بدر کے مقام پر معرکہ سامنے آگیا۔ ایک جانب ۳۱۳ نہتے مسلمان اور دوسری جانب سیر وسیر اب لشکر۔ صبح بدر جب صف آرائی ہوئی تو آمنے سامنے اسلام اور کفر تھا، یہ حق وباطل کا اولین معرکہ تھا آقائے دوجہاں نے ہاتھوں کو دعا کے واسطے بلند کیا، آنکھوں میں آنسو تھے اور سب درباروں سے بلند دربار میں فریاد کرتے ہوئے فرمانے لگے۔

"اللہم ان تہلک ھذہ العصابۃ الیوم لا تعبد"۔(11) "خدایا اگر یہ چند نفوس مٹ گئے تو پھر قیامت تک کوئی تیری عبادت کرنے والے نہیں رہے گا"

اس بے قراری پر مسلمانوں پر رقت طاری ہو گئی۔ آغاز جنگ ہوا اللہ نے فتح کا وعدہ فرمایا تھا وہ سچا ثابت ہوا اور مسلمان فتح یاب ہوئے، لشکر کفار کو ہزیمت اٹھانی پڑی۔

اب عالم کفر مزید طیش وغضب ناک ہوا دوبارہ اپنے سارے ارادوں کو جمع کیا اور سب نے مل کر مسلمانوں کے اوپر چڑھائی کر دی۔ جسے تاریخ میں جنگ خندق اور جنگ احزاب کہا جاتا ہے۔ آقاء نے چاروں جانب خندق کھدوائی اور آگ جلا دی۔ اس جنگ میں مسلمانوں کے اوپر دہشت طاری تھی کیونکہ تمام قبائل ایک ساتھ جمع ہو کر آئے۔ قرآن حکیم نے اس خوفناک اور دہشت ناک منظر کو یوں بیان کیا ہے ۔ وَإِذْ زَاغَتِ الْأَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّونَ بِاللَّهِ الظُّنُونَا۔(12) اور جب نگاہیں کج ہو گئیں، دل حلق میں آگئے اور تم لوگ اللہ کے ساتھ طرح طرح کے گمان کرنے لگے۔ اس وقت مومنوں کی آزمائش کی گئی اور انہیں شدت سے جھنجوڑ دیا گیا"۔

اس کے بعد جنگوں سے تنگ آکر فریقین میں معاہدہ ہوا جس سے عمومی تاثر سے یہ قائم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے دب کر معاہدہ کیا ہے اور مسلمان بھی اس معاہدہ سے پریشان ہو گئے کہ اللہ اور اللہ اور

رسول کیسے دباؤ میں آسکتے ہیں۔اس لیے ان نومسلم اور کفر وضلالت سے نکلے افراد کو اللہ اور اس کی رسول کی حکمت سمجھانا بہت بڑا مسئلہ تھا۔مگر بعد میں وہ خود اس حکمت عملی کے گرویدہ ہوگئے۔ بہر حال جنگوں کا سلسلہ جاری تھا اور ساتھ ساتھ احکام شرعیہ بھی پہنچائے جارہے تھے۔دین اسلام "آیاتہ" سے" یزکیہم" کی منزلوں پر مسلمانوں کو رواں دواں کر رہا تھا،دینی مسائل سیکھنے کے لیے طالب علم صفہ کی یونیورسٹی میں رات دن علم حاصل کر رہے تھے۔آقاؐ کی زندگی کے یہ مصروف ترین ۱۳ سال جس میں احکام ،عقائد،خانگی زندگی،جنگیں،وفود،سازشیں سب کچھ تھا لیکن اب آقاؐ فکر مند تھے کہ اب یہ سب کچھ میرے بعد بھی محفوظ رہنا چاہیے۔

پیش آمدہ مسائل اور ہدایات نبوی ﷺ

رسول اللہ ﷺ خاتم النبیین ہے۔لہذا اب آپؐ کو یہ پریشانی تھی کہ میرے بعد امت کہیں واپس اپنے قدیم جاہلیت پر لوٹ نہ آئیں۔فتح مکہ کے بعد جب آپ اپنے وطن واپس لوٹ چکے ہیں تو آپؐ نے خانہ خدا کو دیکھا ہو گا آنکھوں سے سیل رواں رواجاری ہوا ہو گا،مکہ کی سرزمین پر روا رکھے جانے والے مظالم یاد آئے ہوں،شفیق دادا کی یاد ستائی ہو گی، کبھی والدین یاد آئے ہوں گے اور ان تمام یادوں کے ساتھ آپؐ کو سب سے زیادہ شوق تھا کہ کعبۃ اللہ کا طواف کیا جائے،حج کیا جائے،اس لیے آپؐ نے حج کا ارداہ فرمایا۔جب آپؐ کے حج پر جانے کی خبر لوگوں کو معلوم ہوئی تو سارے مسلمان بھی حج کے ارادے سے چل پڑے۔کوئی نہیں جانتا تھا کہ یہ حجۃ الوداع ہو گا لیکن آپؐ کو معلوم تھا۔اس لیے آقاؐ جب مکہ کی سرزمین پر تشریف لائے تو آپؐ کو وہ سب مصائب وآلام یاد تھے۔آپؐ نے ان یادوں اور مصائب وآلام کو سامنے رکھتے ہوئے مستقبل کے لیے واضح ہدایات جاری فرمائی جو امت کے لیے مشعل راہ ہے۔جو کچھ یوں ہیں کہ "لوگو!میری بات سنو:کیونکہ میں نہیں جانتا غالبا اپنے اس سال کے بعد اس مقام پر تم سے کبھی نہیں مل سکوں گا۔تمہارا خون اور تمہارا مال ایک دوسرے پر اسی طرح حرام ہے جس طرح تمہارے آج کے دن کی،رواں مہینے کی اور موجودہ شہر کی حرمت ہے۔سن لو!جاہلیت کی ہر چیز میرے پاؤں تلے روند دی گئی ہے،جاہلیت کے خون بھی ختم کر دیئے گئے ہیں اور ہمارے خون میں سے پہلا خون جسے ختم کر رہا ہوں وہ ربیعہ بن حارث کے بیٹے کا خون ہے۔جاہلیت کا سود ختم کر دیا گیا ہے اور ہمارے سود میں سے پہلا سود جسے میں ختم کر رہا ہوں وہ عباس بن عبد المطلب کا سود ہے۔ہاں

!عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو اور میں تم ایسی چیز چھوڑے جارہاہوں کہ اگر تم نے اسے مضبوطی سے پکڑے رکھاتو اس کے بعد ہر گز کبھی گمراہ نہ ہوں گے اور وہ اللہ کی کتاب"۔(13)

آخر میں سید الانبیاءؑ نے پوچھا کہ کیا میں تم تک یہ پیغام پہنچادیا۔ صحابہ نے کہا بے شک، ہم شہادت دیتے ہیں کہ آپ نے تبلیغ کر دی، پیغام پہنچادیا اور خیر خواہی کا حق ادا کر دیا۔ یہ سن کر آپ نے انگشت شہادت کو بلند کیا اور فرمایا اے اللہ گواہ رہنا۔ جب آپ خطبہ سے فارغ ہوئے تو اللہ تعالی نے ان مصائب و آلام کو برداشت کرنے کے بدلے میں بطور انعام یہ پروانہ جاری فرمایا : الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا۔(14) آج ہم نے تمہارے لئے تمہارادین کامل کر لیا اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کیا"۔

حاصل کلام

اللہ تعالی نے انسان کو خلیفۃ الارض کے منصب پر علم کی فضیلت کی وجہ سے فائز فرمایا ہے اور اس نے اپنے تمام علوم بااعتبار انسانی رسول کریمؐ کی ذات مبارکہ میں نازل فرمایا۔ آپؐ اس پیغام حق اور علوم کو معاشرے میں عام کرنے کے لیے اپنی تمام صلاحیتوں کو بروئے کار لائے اور ردعمل کے طور پر مخالفین کے ہر ظلم وستم کا مردانہ وار مقابلہ کیا۔ جس میں ذاتی تحقیر، تشدد، عزت نفس کا مجروح ہونا، ساتھیوں پر مظالم، ہجرت ، جنگیں وغیرہ شامل ہے۔

ان مصائب وآلام کے باوجود آپؐ کے پائے استقلال میں لمحہ بھر کے لیے لرزش واقع نہ ہوئی اور آپ نے ان حالات کا انتہائی دانشمندی، صبر و تحمل کے ساتھ مقابلہ کرنے کے علاوہ ان پر اخلاقی اور حقیقی فتح بھی حاصل کی اور اس کے ساتھ آنے والی نسلوں اور قوموں کو ایک ایسا ضابطہ حیات عطا فرمایا۔ رسول اللہ ﷺ کی کامل حیات طیبہ وہ گراں قدر تعلیمات رکھتی ہے جو انسان سوچ و فکر کے چھپے ہوئے دریچوں کو کھولنے کے ساتھ ساتھ اس کو ورطہ حیرت میں ڈال دیتی ہے۔ عصر حاضر میں رسول اللہ ﷺ کا اسوہ حسنہ ہم سب کے لیے باعث تقلید ہے۔ آج ہم سب مصائب و مشکلات کے آگے ہمت ہار جاتے ہیں، تکالیف پر شکوے شکایت کرتے ہیں مگر یہ بھول جاتے ہیں کہ جو رب العالمین عبداللہ کے یتیم بیٹے کو رحمۃ اللعالمین قرار دے سکتا ہے کیا وہ ہم پر نظر کرم نہیں کر سکتا ہے۔ وقت کا تقاضا ہے کہ مصائب وآلام کے وقت رسول اللہ ﷺ کی سیرت پر عمل کریں جو درحقیقت اللہ کی اطاعت ہے اور جس میں ایک مثالی زندگی گزارنے کے سنہرے اصول پوشیدہ ہے۔

حوالہ جات

1۔ یوسف بن عبداللہ، ابن عبدالبر، **الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب**، دائرہ معارف النظامیہ، حیدر آباد دکن، ۱۳۳۶ھ، ج ۲، ص ۷۵۳

2۔ حمید اللہ، ڈاکٹر، **محمد رسول اللہ ﷺ**، بیکن بکس، لاہور، ۲۰۱۳ء، ص ۱۶

3۔ Karian aram strong,Islam a short history,pag 5,modern libarary New York 2000

4۔ ہیکل، محمد حسین، **حیات محمد**، مکتبہ دار الکتب المصریہ، قاہرہ، ۱۹۳۵ء، ص ۱۲۶

5۔ محمد بن عبدالباقی، زرقانی، **شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیہ**، مطبعہ ازہریہ مصر، ۱۳۲۵ھ، ج ۱، ص ۲۵۳، ۲۵۲

6۔ مصطفی البابی الحلبی، **السیرۃ النبویہ**، مصر، ۱۳۵۵ھ، ج ۱، ص ۳۳۹

7۔ ایضا، ج ۱، ص ۲۸۵

8۔ **دائرۃ المعارف اسلامیہ**، دانش گاہ پنجاب، لاہور، ۱۹۸۶ء، ج ۲۹، ص ۳۸

9۔ احمد بن حنبل، امام احمد، **مسند احمد**، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۹۹۳ء، ج ۳، باب ۴، حدیث ۳۳۵

10۔ قاضی، سلمان منصور پوری، **رحمۃ اللعالمین**، دار الاشاعت، کراچی، ۱۴۱۱ھ، ج ۱، ص ۱۰۶

11۔ سیرۃ ابن ہشام، "**السیرۃ النبویہ**، محولہ بالا، ج ۲، ص ۲۷۹

12۔ القرآن: ۳۳/۱۱، ۱۰

13۔ مبارک پوری، مولانا صفی الرحمان، **الرحیق المختوم**، المکتبہ السلفیہ، لاہور، ۱۹۸۸ء، ص ۲۵۷

14۔ القرآن: ۵/۳